حضرت مولانا مدرار اللہ مدرار نقشبندی مردان

تحقیقِ ربٰوا

قرآن و حدیث کی روشنی میں

سود کی حرمت اور مسئلہ سود کی توضیح قطعی اور بدیہی ہے۔ اس موضوع پر عالم اسلام میں لکھا جانے والا لٹریچر ایک مستقل کتب خانہ ہے، مگر اس کے باوجود ارباب حکومت بالخصوص وزیر خزانہ و اقتصادی امور سردار آصف احمد علی کی خرافات نے پھر سے فضا کو مکدر کر دیا ہے درین حالات ذیل کا مقالہ مزید اتمام حجت ہوگا ——— (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْد

ربٰوا کا ذکر قرآن کریم کی گیارہ آیتوں میں آیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے: سات آیتیں سورۃ بقرہ میں، ایک آیت سورۃ آل عمران میں، دو آیتیں سورۃ النساء میں اور ایک آیت سورۃ الروم میں ہے۔ جن کی تفصیل پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ربٰو کا لغوی مفہوم بیان کیا جائے۔ امام جصاص رحؒ نے "احکام القرآن" میں ربٰو کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں:۔

هُوَ الْقَرْضُ الْمَشْرُوْطُ فِيْهِ الْاَجَلُ وَزِيَادَةُ مَالٍ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ۔

ربٰو وہ قرض ہے جس میں کسی میعاد کے لیے اس شرط پر قرض دیا جائے کہ قرض دار اس کو اصل مال سے زائد کچھ رقم ادا کرے گا۔

اور ابن العربی نے "احکام القرآن" میں فرمایا۔

اَلرِّبٰو فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ وَالْمُرَادُ بِهٖ فِي الْاٰيَةِ كُلُّ زِيَادَةٍ لَا يُقَابِلُهَا عِوَضٌ۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۰۱)

ربٰو کے معنیٰ اصل لغت میں زیادتی کے ہیں اور آیت میں اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کے عوض میں کوئی مال نہ ہو، بلکہ محض اُدھار اس کی میعاد ہو)

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں عربوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنا مال بطور قرض کسی کو معین میعاد کے لیے دیتے تھے اور ہر مہینہ اس کا نفع یعنی سود لیتے تھے اور اگر معین میعاد پر ادائیگی نہ کر سکا تو میعاد اور بڑھا دی جاتی بشرطیکہ وہ سود کی رقم اور بڑھا دیتے، یہاں تک کہ سود کی رقم "اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً" یعنی دوگنی سہ گنی ہو جاتی۔ بالفاظِ دیگر عرب جاہلیت میں مفرد اور مرکب سود دونوں کا رواج تھا، اس سودی کاروبار نے عرب کے غریب بلکہ متوسط طبقے کو بھی گوناگوں مشکلات و مصائب میں مبتلا کر دیا تھا۔ یہی حالات تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی متعدد آیاتِ کریمہ نازل فرمائیں جن میں پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ ربٰو کو حرام قرار دیا گیا اور ہر قسم کے سودی کاروبار کی ممانعت کر دی گئی۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

(۱) اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اس آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ :-

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں قبروں سے نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی بنا دیا ہو، یہ سزا اس لیے ہوگی کہ ان سود خور لوگوں نے سود کے حلال ہونے پر استدلال کرنے کے لیے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے کیونکہ اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے پھر سود بھی جو اس کا مثل ہے حلال ہونا چاہیے حالانکہ دونوں میں کھلا فرق ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا، پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے اس بارے میں نصیحت پہنچی اور وہ سود کو حلال کہنے سے باز آ گیا اور سود لینا بھی چھوڑ دیا تو جو کچھ سود پہلے لے چکا ہے وہ اس کا رہا، یعنی اس پر مواخذہ نہ ہوگا اور معاملہ اس کا خدا کے حوالے رہا اور جو شخص مذکورہ حکم کے بعد بھی سود کی طرف عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اس آیت میں سود کو بیع کی طرح حلال سمجھنے والوں کے لیے سخت وعید سنائی گئی ہے، اور وہ یہ کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔

(۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اِن آیاتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سُود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اگر تم توبہ کر لوگے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤگے کہ تم اصل مال سے زیادہ لینے لگو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا کہ تمہارا اصل مال بھی نہ دلایا جائے، اور اگر قرضدار تنگدست ہو اور اس لیے میعاد پر نہ دے سکے تو اس کو مہلت دینے کا حکم ہے آسودہ حال ہونے تک، اور یہ بات کہ بالکل ہی معاف کر دو تو تمہارے لیے اور زیادہ بہتر ہے اگر تم کو اس کے ثواب کی خبر ہو"۔

اِن آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرض خواہ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ مدیون سے صرف اپنا رأس المال اور اصل قرض کی رقم وصول کرے اور اس کا سارا سود چھوڑ دے اور یہ ترغیب بھی دی گئی ہے کہ اگر مدیون مفلس ہو تو اس کی آسودگی تک انتظار کرنا ہوگا اور اگر اس کو بالکل معاف کر دے تو یہ اس کے لیے بڑے اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔

اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ میں بھی مدیون مفلس کے ساتھ نرمی اور شفقت کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے سر پر اُس روز (قیامت) اللہ کی رحمت کا سایہ ہو جبکہ اس کے سوا کسی کو کوئی سایہ سر چھپانے کے لیے نہ ملے گا تو اس کو چاہیئے کہ تنگدست مقروض کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے یا اس کو معاف کر دے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول ہو یا اس کی مصیبت دور ہو تو اس کو چاہیئے کہ تنگدست مدیون کو مہلت دے۔

مذکورہ آیاتِ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سُود خواہ ذاتی ضروریات کے لیے ہو یا پیداواری اور تجارتی اغراض کے لیے ہو، اور تھوڑا ہو یا "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" یعنی دوگنا اور سہ گنا وغیرہ ہو، سب حرام ہے۔ جس سے بعض مغرب زدہ حضرات کے اس دعوے کی تردید ہو گئی کہ قرآن کے نزدیک عمومی اور تجارتی سُود حرام نہیں ہے۔ آیت وَحَرَّمَ الرِّبٰوا سے ہر قسم کا سُود حرام ہے۔ "الرِّبٰوا" میں الف لام جنس اور استغراق کے لیے ہے جو سود کے تمام افراد اور اقسام کو شامل ہے فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ والی آیت صرف اصل قرضہ کی وصولی کے ساتھ جواز مخصوص کرتی ہے۔ اسی طرح وَذَرُوْا

مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰو والی آیت سُود کا جو بھی باقی ماندہ مطالبہ ہو اس کو حرام قرار دیتی ہے، اب اگر حرمت صرف اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً یعنی ڈبل سُود سے مختص ہو تو ان دونوں آیتوں کے خلاف ہو گا، اور اگر سب صورتیں حرام ہوں تو سب آیتوں پر عمل ہو گا اور کوئی آیت متروک العمل نہ رہے گی۔ عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہؓ سے لیکر اب تک مذکورہ آیتوں کے انہی معانی پر اجماع چلا آرہا ہے ۔ الغرض جو چیز مدارِ حکم ہو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اس سے حکم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مثلاً چوری حرام ہے اور حرمت کا مدار چوری ہونا ہے، اب چوری تھوڑی ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں حرام ہے اس میں کم و بیش، قلیل و کثیر کا حکم ایک ہی ہو گا کہ سب صورتیں حرام ہوں گی، اور یہی حکم سُود کا بھی ہے کہ جب وہ حرام ہے تو اس کی سب صورتیں حرام ہوں گی۔

سُود کی حرمت کے بارے میں سورۃ آلِ عمران کی ایک سو تیسویں آیت یہ ہے :۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	یعنی اے ایمان والو سُود مت کھاؤ کئی گنا زائد اور اللہ سے ڈرو شاید کہ تم کامیاب ہو۔

اس آیتِ کریمہ سے مغرب زدہ حضرات یہ استدلال کرتے ہیں کہ سود چند در چند ہو تو حرام ہے اور اگر ذاتی ضرورت کے لیے سود لیا گیا ہو یا تجارت کے لیے ہو تو وہ حرام نہیں، حالانکہ یہ قرآن کی معنوی تحریف ہے ۔ سورۃ بقرہ کی جو آیتیں سطور مذکورہ بالا میں پیش کی گئی ہیں اُن میں مطلقاً ربٰو کی حرمت کی صراحت کی گئی ہے ۔ اضعاف، مضاعف یعنی چند در چند ہو یا نہ ہو' اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن کریم میں جا بجا فرمایا گیا ہے لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا "یعنی میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت مت لو"۔ اس میں تھوڑی سی قیمت اس لیے فرمایا کہ آیاتِ الٰہیہ کے بدلے میں اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی لے لے تو وہ بھی تھوڑی ہی قیمت ہو گی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کی آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت لینا تو حرام ہے اور زیادہ لینا جائز ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مغرب پرستی اور جدت پسندی کی تردید میں کیا فرمایا ہے ؎

محسوس یہ ہوتا ہے کہ آوازۂ تجدید   مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

قرآن کریم نے ربٰو کو مطلقاً حرام کیا ہے جس میں سُود کی سب صورتیں شامل ہیں۔ وَلَنِعْمَ مَا قِیْلَ ؎

ماہِ نو کی گود میں موجود ہے ماہِ تمام   ماہِ نو آیا تو بس ماہِ تمام آہی گیا

جب حجۃ الوداع کے خطبے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حرمتِ ربٰو کے قانون کا اعلان کیا تو اس کا بھی اظہار فرمایا کہ یہ قانون کسی خاص شخص یا قوم یا مسلمانوں کے مالی مفاد کے پیشِ نظر نہیں بلکہ پوری انسانیت کی تعمیر اور صلاح و فلاح کے لیے جاری کیا گیا ہے اس لیے ہم سب سے پہلے مسلمانوں کی بہت بڑی رقم سُود جو غیر مسلموں کے ذمے ہے اس کو چھوڑتے ہیں تو اب اُن کو بھی اپنے بقایا سُود کی رقم چھوڑنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اسی خطبہ میں

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

الا ان کل ربٰو فی الجاھلیۃ موضوع عنکم کلہ لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون و اول ربٰو موضوع ربا العباس ابن عبد المطلب۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر بروایت ابن ابی حاتم)

یعنی زمانۂ جاہلیت میں جو سودی معاملات کیے گئے سب کا سود چھوڑ دیا گیا، اب ہر شخص کو اصل رقم ملے گی سود کی زائد رقم نہ ملے گی، نہ تم زیادہ وصول کر کے کسی پر ظلم کر سکو گے اور نہ کوئی اصل رأس المال میں کمی کر کے تم پر ظلم کر سکے گا، اور سب سے پہلا سود جو چھوڑا تھا وہ عباسؓ بن عبد المطلب کا سود ہے جس کی بہت بھاری رقمیں غیر مسلموں کے ذمے بطور سود کے عائد ہوتی تھیں۔ قرآن کریم کی آیت وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ اور بقایا سود چھوڑنے کا حکم مذکور ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع کی مذکورہ عبارت میں لفظ "کل" موجود ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے سودی معاملات کا کل سود چھوڑ دیا گیا، خواہ وہ سود مفرد تھا یا مرکب اور چند در چند۔ اگر متجدّدین خطبۂ حجۃ الوداع کی اس عبارت کو پیش نظر رکھتے تو وہ یہ نہ فرماتے کہ قرآن سے جس سود کی حرمت ثابت ہے اس سے صرف چند در چند سود مراد ہے اور مفرد سود مراد نہیں، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے سود کی ممانعت فرما کر سود خوروں کو صرف ان کا رأس المال دلوایا۔

اصلی اور حقیقی ربٰو جس کو فقہاء نے ربٰو القرآن یا ربٰو القرض کے نام سے موسوم کیا ہے وہی ہے جو عرب میں متعارف تھا یعنی قرض اُدھار پر حسابِ میعاد نفع اور زیادتی لینا۔ دوسری قسم کے ربٰو جو حدیث میں بتلائے گئے وہ سب اسی ربٰو کے ساتھ ملحق اور اسی کے حکم میں ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی باہمی بیع و شراء یعنی خرید و فروخت میں برابری شرط ہے، کمی بیشی میں ربٰو داخل ہے اور ان میں ادھار کرنا بھی ربٰو میں داخل ہے۔ یہ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور، انگور ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں چھ چیزوں کی بیع و شراء میں کمی بیشی اور اُدھار کو تو صراحتاً ربٰو میں داخل کر کے حرام قرار دے دیا تھا لیکن یہ بات تفقہ و اجتہاد کی مقتضی تھی کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری اشیاء میں بھی ہے اور اس کا ضابطہ کیا ہے، اور چونکہ یہ ضابطہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرمایا تھا اس میں اشتباہ رہنے کے سبب حضرت فاروقِ اعظمؓ نے اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کا کوئی ضابطہ بیان فرما دیتے تو مشتبہ حالات میں اطمینان پیدا ہو جاتا، اور پھر یہ ارشاد فرمایا فدعوا الربٰو والریبۃ۔ یعنی ربٰو چھوڑ دو اور اس چیز کو بھی چھوڑ دو جس میں ربٰو کا شبہ ہو۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ربٰو کے مسئلے میں بہت احتیاط لازم ہے کہ ربٰو کو تو بہر حال

چھوڑنا چاہیئے، لیکن جس چیز میں ربٰو کا شائبہ اور شبہ ہو اس سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہے۔

بعض حضرات کو اصرار ہے کہ تجارتی مقاصد کے لیے بینکوں سے حاصل کردہ قرض پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید، احادیثِ نبویہ اور اجماعِ اُمت سے ہر قسم کے سود کی حرمت ثابت ہوتی ہے خواہ وہ سود تجارتی مقاصد کے لیے حاصل کردہ قرضوں پر وصول کیا جائے یا ذاتی ضروریات کے لیے حاصل کردہ قرض پر، پھر خواہ اس کا نام سود رکھا جائے یا منافع، حالانکہ قرآن کی نصوصِ قطعیہ اور احادیثِ نبویہ واضح اور قطعی انداز میں ہر قسم اور ہر نوع کے سود کی حرمت پر ناقابلِ تردید حجت ہیں اس لیے اس بارے میں کسی شک یا وہم کا فائدہ اٹھا کر کسی چور دروازے سے تجارتی قرضوں پر سود کو حلال ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

امام بغویؒ معالم التنزیل میں سورۂ بقرہ کی سود سے متعلق آیاتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ اور حضرت عثمانؓ عہدِ نبوی کے مشہور تاجر اور متمول افراد میں سے تھے، ان کے متعلق امام بغویؒ نے حضرت عطاء اور عکرمہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں حضرات نے ایک تاجر کو تجارتی قرض دے رکھا تھا اور اُس سے اصل مع سود لینے کا مطالبہ کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمتِ سود کی آیت کے پیشِ نظر سود لینے سے منع فرما دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ سود کی حرمت ذاتی اور تجارتی دونوں اقسام کی حرمت کو شامل ہے۔

عہدِ جاہلیت میں تجارتی اغراض کے لیے سودی کاروبار جاری تھا، چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"كَانَ رِبٰو يَتَبَايَعُوْنَ بِهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ" (بحوالہ الطبری تاریخ الامم والملوک ج ۵ ص ۲۹)

یعنی یہ ایک قسم کا ربٰو تھا جس کے ساتھ اس زمانے میں کاروبار کرتے تھے، لیکن جب قرآنی آیاتِ سود کی حرمت میں نازل ہوئیں تو سود کی یہ تمام اقسام حرام قرار دی گئیں۔

سرمایہ دارانہ نظام اور سود کسی قوم کی اقتصادی حالت اُس وقت بہتر ہو سکتی ہے کہ قوم کے تمام افراد کو ضروریاتِ زندگی میسر ہوں اور کوئی فرد ضروریاتِ حیات سے محروم نہ ہو۔ لیکن اگر ایک قوم کے معدودے چند افراد کے پاس دولت اور ضروریاتِ زندگی کے انبار لگے ہوں اور قوم کے اکثر افراد ان ضروریات سے محروم ہوں تو یہ قومی حیثیت سے ایک تباہ کُن اقتصادی انحطاط ہے ترقی ہرگز نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دولت کو چند افراد یا خاندانوں میں محدود رکھتا ہے جس کو وہ ناجائز اور مسرفانہ خراجات میں صرف کر دینے کے باوجود ختم نہیں کر سکتے اور قوم کی باقی اکثریت مفلوک الحال ہوتی ہے اور غربت و افلاس کی وجہ سے وہ درد و کرب کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام دولت کے خون کو جذب کرنے میں ایک طاقتور جونک کی طرح ہے کہ جہاں اس کا اثر پہنچا وہاں سے اس نے دولت کا خون چوس لیا۔ آجکل دُنیا کے اکثر

حصوں میں بالذات یا بالواسطہ سرمایہ دار ملکوں کا اثر ہے اس لیے دنیا کی پوری آبادی کی اکثریت تنگدستی اور فاقہ کشی میں مبتلا ہے۔ خود امریکہ جو سب سے بڑا سرمایہ دار ملک ہے وہاں ہر تیرہواں شخص بھوکا ہے، ۱۹۶۹ء میں جب امریکہ چاند پر خلائی جہاز بھیجنے لگا تو اس موقع پر ہزاروں بے بس اور مجبور لوگوں نے اس کے خلاف مظاہرہ کیا اور مطالبہ کیا کہ خلا کی تسخیر پر اربوں ڈالر ضائع کرنے کی بجائے پہلے امریکہ سے غربت کا خاتمہ کیا جائے۔ غالباً شیخ سعدیؒ نے ایسے موقع کے لیے ہی فرمایا تھا ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

یا بقول ایک شاعر کے اس مطلب کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے ؎

بستیاں چاند ستاروں پہ بسانے والو
کُرۂ ارض پہ بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ

سرمایہ دارانہ نظام دولت کے ارتکاز اور اکتناز کا علمبردار ہے اور سُود اسی نظام کا برگ و بار ہے، جبکہ اسلامی نظام چاہتا ہے کہ دولت کی گردش صرف اغنیاء تک محدود نہ رہے بلکہ اس سے تمام افراد متمتع اور مستفید ہوں۔ دولت کے اکتناز میں سُود ایک بنیادی کردار ادا کر رہا ہے، اس لیے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے اور اس کی ممانعت کر دی، اسی طرح اسلام نے تمام وسائل رزق اور ذرائع پیداوار پر ایک طبقے کی اجارہ داری کا خاتمہ کیا ہے۔

اگر ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ عوام غربت اور افلاس کا شکار ہو جائیں تو امراء کے پاس اپنی ضرورت سے جس قدر زیادہ مال موجود ہو وہ قانونِ استحبابی کے تحت سب فقراء اور ضرورتمندوں میں تقسیم ہو، ارشادِ ربانی ہے:۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۭ (سورۃ آیت)	آپ سے اے پیغمبر پوچھتے ہیں فقراء پر کیا خرچ کریں، آپ فرما دیں کہ تمام وہ مال خرچ کرو جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

ابن حزم جو ایک خاص مکتبِ فکر کے امام ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر ضروریاتِ فقراء کو پورا کرنا فرض قرار دیا ہے، اگر فقراء بھوکے اور ننگے ہوں اور اغنیاء کے نہ دینے کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا اور سزا دے گا، ضرورت کے وقت اغنیاء سے مال لیکر سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا ــــ ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور تین سو صحابہؓ نے توشہ جمع کر کے سب پر برابر تقسیم کر دیا۔

ابو سعید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زادِ راہ زائد موجود ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کئی ضرورت کی چیزیں ذکر فرمائیں یہاں تک کہ

ہم نے گمان کیا کہ ہمارے پاس ضرورت سے جو چیز زائد موجود ہو اس میں ہمارا کوئی حق نہیں ــــ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخری جملے یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاءُهُ وَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ ـ

یعنی جس نے قرض چھوڑا اس کی ادائیگی کی ذمہ داری میرے اوپر (یعنی بیت المال پر) ہے اور اگر اس نے مال چھوڑا ہے تو وہ اس کے ورثاء کا ہے۔

اِس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

فهكذا يلزم المتولي لامر المسلمين ان يفعله فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْهُ فالاثم عليه ـ

(فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۳۹۱)

یعنی اسی طرح جو بھی مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار ہو وہ ایسا کرے، یعنی فوت شدہ مدیون کا قرض ادا کرے، اور اگر حکومت کا ذمہ دار ایسا نہ کرے تو اس کا گناہ اس کے اوپر ہوگا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ دولت کے سرچشمے سے معاشرے کا ہر فرد فیضیاب ہو اور وسائل زندگی امیروں سے غریبوں کی طرف منتقل کیے جائیں۔ اور چونکہ سودی نظام اسلامی معاشی نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس لیے اسلام نے اسے حرام، ممنوع اور ملعون قرار دیا ہے سُود کی تباہ کاریوں میں سے ایک افسوسناک اور شرمناک واقعہ سُنیئے جو اخبارات میں چھپ کر تاریخ کا حصہ بن چکا ہے اور وہ یہ کہ سندھ کے ایک مزدور ہاری نے بامرِ مجبوری اپنی بیوی کے عوض مہاجن ساہوکار سے سود پر قرضہ لیا، کچھ عرصہ بعد جب اُس مزدور ہاری نے پیسوں کا بندوبست کر لیا تو مہاجن ساہوکار کے پاس پیسے لوٹانے اور اپنی بیوی کو لینے کے لیے گیا، جب بیوی لے کر واپس آرہا تھا تو راستہ میں بیوی نے کہا کہ اس کا مہاجن سے ایک لڑکا بھی ہے، چنانچہ میاں بیوی واپس مہاجن کے پاس لڑکا لینے کے لیے گئے تو مہاجن ساہوکار نے جواب دیا کہ جب بکریاں کسی کے پاس گروی یا رہن رکھی جاتی ہیں تو اس کے بچے ہمیشہ اُس کے پاس رہتے ہیں جو رہن رکھتے ہیں لہٰذا یہ بچہ میرے پاس رہے گا۔ اسے ہم سرمایہ دارانہ ذہن اور استحصال کے عروج کی بدترین مثال قرار دے سکتے ہیں۔

احادیثِ نبوی میں سُود کی مذمت

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات سُود کی حُرمت و مذمت کے بارے میں پیش کیے جاتے ہیں :۔

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات مُہلک چیزوں سے بچو، صحابۂ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ایکؐ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، دُوسرےؐ جادو کرنا، تیسرےؐ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا، چوتھے سُود کھانا، پانچویں یتیم کا مال کھانا، چھٹے جہاد کے وقت میدان سے بھاگنا، ساتویں کسی پاکدامن عورت پر تہمت باندھنا۔ (یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم میں ہے)

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات دو شخصوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس تک لے گئے، پھر ہم آگے چلے تو ایک خون کی نہر دیکھی جس کے اندر ایک آدمی کھڑا ہُوا ہے اور دوسرا آدمی اس کے کنارے پر کھڑا ہے، جب یہ نہر والا آدمی اس سے باہر آنا چاہتا ہے تو کنارے والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے جس کی چوٹ سے بھاگ کر وہ پھر وہیں چلا جاتا ہے جہاں وہ کھڑا تھا پھر وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر یہ کنارے کا آدمی یہی معاملہ کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ان دونوں ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے بتلایا کہ خون کی نہر میں قید کیا ہُوا آدمی سود کھانے والا ہے۔ (یہ حدیث صحیح بخاری کتاب البیوع میں ہے)

③ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُود لینے والے پر بھی لعنت فرمائی اور سُود دینے والے پر بھی، اور بعض روایات میں سُودی معاملہ پر گواہی دینے والے اور اس کا وثیقہ لکھنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، اور بعض روایات میں شاہد (گواہ) اور کاتب پر لعنت اس صورت میں ہے جبکہ اُن کو اس کا علم ہو کہ یہ سُود کا معاملہ ہے۔

④ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے اور جنت کی نعمتیں نہ چکھنے دے، وہ چار آدمی یہ ہیں، شرابؐ پینے کا عادی اور سُودؐ کھانے والا اور یتیمؐ کا مال ناحق کھانے والا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا۔ (یہ روایت مستدرک میں ہے)

⑤ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب کسی بستی میں بدکاری اور سُود کا کاروبار پھیل جائے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اپنے اوپر دعوت دی۔ (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے)

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں سُود کے لین دین کا رواج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے، اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جائے تو اُس پر دشمنوں کا رعب و غلبہ ہو جاتا ہے۔ (یہ روایت مسندِ احمد میں ہے)

⑦ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو تم نے قرض دیا ہو اس کا ہدیہ بھی قبول نہ کرو۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ قرضدار نے یہ ہدیہ قرض کے زیرِ اثر دیا ہو جو سُود ہے، اس لیے

اس کا ہدیہ قبول کرنے سے بھی احتیاط چاہیئے۔

ربٰو کی تعریف اور اس کی حقیقت اور اس کی دنیوی تباہ کاری اور روحانی مضرتوں کے بارے میں قرآن حکیم کی آیاتِ مبارکہ اور حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ پیش کیے گئے جو سوچنے سمجھنے اور نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی ہیں۔

غیر سودی بینکاری کے شرعی طریقے

اگر ہر اسلامی ملک یا سب اسلامی ممالک مل کر سودی بینکاری کے نظام کو خیرباد کہہ دیں اور اس کی جگہ اسلامی بینکاری کا نظام رائج کرنا چاہیں تو ایسا بخوبی کیا جا سکتا ہے، یہ کام شراکت کمپنیاں قائم کرکے کیا جا سکتا ہے اور بینکوں کو شرکت کے شرعی اصولوں پر بخوبی چلایا جا سکتا ہے، اس مقصد کے لیے شرکت اور مضاربت کے شرعی اصول اپنائے جائیں۔

لُغت میں شرکت کے معنی ملانے کے ہیں لیکن شرع میں شرکت سے مراد یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کے درمیان عقد ہو جو اصل مال اور نفع دونوں میں شریک ہوں۔ پھر شرکت کی کئی قسمیں ہیں، جن میں ایک "شرکتِ عقود" اور اس کی ذیلی شاخ "شرکتِ عنان" ہے۔ ہم مسئلہ زیرِ بحث میں جس شرکت کا ذکر کر رہے ہیں وہ "شرکتِ عنان" ہے۔ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ "شرکتِ عنان" میں کئی افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع و نقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ فقہاء کہتے ہیں کہ یہ شرکت مرد و عورت اور مسلم و کافر کے درمیان ہو سکتی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرکاء کے درمیان مال کم و بیش ہوں برابر نہ ہوں اور نفع برابر ہو یا مال برابر ہوں اور نفع کم و بیش ہو۔ اگر شرکاء نے اس طرح شرکت کی کہ مال سب کا ہوگا مگر کام فقط ایک ہی کرے گا اور نفع سب لیں گے اور نفع کی تقسیم مال کے حساب سے ہوگی یا برابر لیں گے یا کام کرنے والے کو زیادہ ملے گا، تو یہ جائز ہے۔ دراصل اس عقدِ شرکت کا اصول یہ ہے کہ اس میں شرکاء کی باہمی رضامندی ضروری ہے، البتہ اگر عقد یہ ٹھہرا کہ کام نہ کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو شرکت ناجائز ہے۔

"شرکتِ عنان" کے اصول پر جو لوگ سرمایہ فراہم کریں گے اُن کو حصہ دار کہہ سکتے ہیں، اس مشترکہ سرمائے سے ہر قسم کی تجارت ہو سکتی ہے اور دوسری خدمات بالمعاوضہ انجام دی جائیں گی اور اس طرح نفع کمایا جائیگا۔

مضاربت

"شرکتِ عنان" کے مشترکہ سرمائے سے مضاربت پر بھی کاروبار کرایا جائے گا۔ مضاربت کی شرعی حیثیت کے بارے میں علامہ مرغینانیؒ اپنی تصنیف "ھدایہ" میں لکھتے ہیں:۔

وَبُعِثَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم والناس یُباشرونہ فقررھم علیہ	یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت پر تشریف لائے اس حال میں کہ لوگ باہم مضاربت کیا کرتے تھے

وتعاملت الصحابة رضی الله عنهم۔	پس آپ نے ان کو اس پر برقرار رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اس پر عمل کیا۔

یعنی بغیر انکار کے صحابہ کرامؓ میں مضاربت جاری تھی، تو یہ اس کے جائز ہونے پر اجماع ہو گیا۔
اور مضاربت کی صورت یہ ہے کہ زید نے بکر کو ہزار روپیہ دیا کہ تو اس سے تجارت کا کام کر اس شرط پر جو کچھ نفع ہو وہ ہم دونوں میں نصف نصف یا تین تہائی ہے۔ پس نفع میں شریک ہونا مضاربت میں ضروری ہے، اور اسی طرح "شرکتِ عنان" میں بھی نفع میں شریک ہونا ضروری ہے اور نقصان میں بھی دونوں فریق شریک ہیں، بدیں معنی کہ صاحبِ مال کے سرمائے میں بقدر نقصان کمی ہوگی اور کام کرنے والے کی محنت اکارت گئی۔ اس کے برعکس بینک سرمائے میں نقصان کو نہیں مانتا اور یہ استحصال بلاعوض ہے جس کو سود کہتے ہیں اور شریعتِ مطہرہ نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

اگر بینک مشارکت اور مضاربت کے قانون پر چلائے جائیں اور ہر پارٹی نفع و نقصان میں شریک ہو، بحصہ رسدی یا کم و بیش، تو ایسے مالیاتی ادارے کا سرمایہ جمع کر کے کاروبار میں لگانے کا عمل ربٰو اور سود سے پاک ہو گا۔ البتہ ان اداروں پر سرکاری کنٹرول کا ہونا ضروری ہے تاکہ کسی کو بددیانتی کا موقع نہ مل سکے۔ اگر غیر اسلامی دنیا کے سودی نظام کا سہارا لیا جاتا رہا تو اقتصادی حالات پر غیروں کی گرفت رہے گی اور اسلامی بلاک ہمیشہ غیروں کا مرہونِ منت رہے گا، نظامِ سود کو مستقل طور پر اپنانا جائز نہیں، اس دلدل سے نکلنے کے لیے مؤثر اور فوری لائحہ عمل بنانا چاہیے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔

بقیہ ص۳۷ سے: عظمتِ دینِ اسلام

اسلام میں زندگی کا متوازن قانون ہے اسلام میں وہ صحیح ترین رہنمائی ہے جس کو اختیار کر کے انسانیت کا قافلہ اپنی منزل کی طرف کامیاب سفر کر سکے اسلام کی تعلیمات ان تضادات سے پاک ہیں جو دوسرے نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ اسلام وہ شاہراہ ہے اور وہ خوبصورت شاہراہ فراہم کرتا ہے جس میں دنیا کی بھی فلاح ہے اور آخرت کی بھی فلاح ہے۔ ہمیں صرف اور صرف اللہ ہی کے احکام کی پیروی کرنی چاہیے کسی دنیاوی سپر پاور کی تقلید نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہمارا دین اسلام کائنات کا سب سے بڑا نظریاتی سپر پاور ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔